

مَضْمُونُ

تعلیمِ زراعت

(منجانب)

محکمہ زراعت ملک سرکار عالی

نوشتہ

عالیجناب مولوی محمد عال خان صاحب ایلچی مہتمم زراعت شعبہ ابرہیم

برائے اجلاس ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۰ آفرست ۱۳۳۳ھ

مطبوعہ حمایت دکن پریس بازار عسلی میان

تعلیم زراعت

حضرات؛

کاشتکار کو اگر درحقیقت دنیا میں رازق حقیقی کا امین کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکی ایمانداری، محنت اور جفاکشی کی وجہ سے خالق اکبر نے خوراک و پوشاک کے ذخیرہ کی کنجی کسان ہی کے سپرد کی ہے۔ کسان ہی ہے جو کبے خواہ امیر ہو یا غریب۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ تاجدار ہو یا گدا خوراک اور پوشاک کا سامان ہیا کرتا ہے۔ پس اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غریب کسان سب سے قابل عزت اور اس کا پیشہ سب پیشوں میں قابل قیمت ہے۔ دنیا میں جن ممالک کے کاشتکار و کسان خوش حال ہیں وہ مالا مال ہیں اور جہاں کے کسان کنگال وہ بد حال۔ یورپ و امریکہ میں دیگر جملہ پیشوں کے مقابلہ میں پیشہ زراعت نہایت مغرزا اور با وقعت پیشہ خیال کیا جاتا ہے چنانچہ ان ممالک میں بڑے بڑے دولت مند و تعلیم یافتہ لوگ اس پیشہ کو اپنے ہاتھوں سے اپنا کام سمجھکر انجام دیتے ہیں اور اس میں سجد و محسپی لیتے ہیں۔ ماہرین فن زراعت کی کوششوں اور سرگرمیوں اور جان توڑ مشقت کی بدولت ان ممالک کی زراعت میں سجد ترقی ہو چکی ہے اور دن بدن ترقی ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں عموماً اور ہماری ریاست میں خصوصاً زراعت کی حالت بجائے ترقی کرنے کے دن بدن ابتر ہو رہی ہے۔ زمین کی طاقت گھٹ رہی ہے۔ پیداوار کا اوسط کم ہو رہا ہے جنس کی نفاست و عمدگی رو بہ تنزل ہے اور کاشتکاروں کی حالت دن بدن خستہ و خراب ہونے کی وجہ سے انکی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ ان تمام خرابیوں کی سب سے بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کے کاشتکار عام طور پر تعلیم کی روشنی سے قلمی محروم ہیں۔

کہتے ہیں کہ ترقی و تمدن کی روح تجارت و سرمایہ ہے لیکن اگر زراعت کو بوجہ اس کے لا تقنا ہی سرمایہ دار ہونیکے ترقی کی روح کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ اور ملک ہندوستان کی تو صرف روح ہی نہیں بلکہ جملہ تجارت و

روزگار کی بنیاد ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خلق خدا تجارت و دیگر پیشوں میں منہمک ہو کر قادر مطلق کی یاد بھی فراموش کر دیتی ہے لیکن صرف اہل زراعت ہی تمام فطرتی و لہریب نظاروں کا لطف اٹھاتے ہوئے اپنی محنتوں کا پھل پانے کے لئے مالک حقیقی کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور رحمت الہی کے نزول کے لئے دست بدعا۔ پس اگر زراعت نہ ہو تو مالک حقیقی کی یاد دلوں سے جاتی رہے اور تمام دنیاوی کاروبار بند ہو جاویں۔ بدھنگامی کے زمانہ میں آپ حضرات نے اکثر دیکھا ہوگا کہ سب جگہ ایک قسم کی اداسی چھا جاتی ہے۔ تجارت مدہم۔ دفتروں میں ستائش۔ اور وکیل و مختاروں کی جیب خالی۔ چہل پہل ندارد۔ لیکن جس سال ہنگام اچھا ہوا اور غلہ کی افراط ہوئی پھر دبی مارا مار تجارت زوروں پر۔ عدالتیں گرم۔ ہر طرف رنگ رلیاں۔

ہمارے ملک میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ محکمہ زراعت خزانہ شاہی کے لئے ایک نامور ہے کہ جس کے ذریعہ ملک کی دولت بیکار ضائع ہوتی رہتی ہے مگر میں آپ حضرات کو بتلانا چاہتا ہوں کہ محکمہ زراعت اور زراعتی تعلیم کی بدولت دیگر ذرائع آمدنی میں کس قدر اضافہ ہوا۔ میں لے اکثر رپورٹ ہائے آبکاری کروڑ گیری و مال میں دیکھا ہے کہ بقایا زیادہ پڑ جانے آمدنی کم ہونے اور مالگزاری نہ وصول ہونے کے اسباب اکثر یہی بیان کئے گئے کہ ہنگام اچھا نہیں ہوا یا کیڑوں کے حلوں کی وجہ سے پاکسی اور وجہ سے فصل ضائع ہو گئی جس سے ظاہر ہے کہ ملک کی جملہ آمدنی کا دار و مدار زراعت پر ہی ہے۔ محکمہ زراعت حتی المقدور کوشاں ہے کہ ان مصائب کے مقابلہ کی تدابیر دریافت کرے۔ ایسے اجناس کا انتخاب کرے جس سے پیداوار زیادہ ہو۔ ملک کی زراعت کو ترقی دینا مفید زراعتی نکات بتا کر کاشتکاروں کو فائدہ پہنچانا۔ جدید ترقی دادہ زراعتی طریقوں سے کاشتکاروں کو واقف کرانا۔ زمین کی پیداوار کو بڑھانے اور اعلیٰ بنانے کے طریقہ بتانا۔ عام کاشتکاروں کی حالت کو بہتر و خوشحال بنانا۔ اور فن زراعت کی جدید معلومات و ایجادات سے زراعت پیشہ اشخاص کو واقفیت بہم پہنچا کر ملک کی آمدنی میں وسعت دینا اور ملک کو مالا مال کرنا محکمہ کے اہم فرائض میں سے ہے۔

اس کے ثبوت میں کہ زراعت کی توسیع و ترقی کے ساتھ ملکی جمہوری وابستہ ہے میں چند اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد اپنے اصل مضمون کو شروع کرتا ہوں۔ صوبہ بمبئی کی آمدنی میں جو ہمارے ملک سے ملا ہوا ہے اور بلحاظ آب و ہوا کے قریب قریب یکساں ہے۔ محکمہ زراعت کی کوشش اور زرعی تعلیم کے بدولت خاص ترقی ہوئی چنانچہ صرف ترقی دادہ کپاس کے کاشت کرنے سے گیارہ بارہ روپیہ فی ایکڑ گجرات۔ خاندیس اور کرناٹک میں یا دتی ہوئی۔ سندھ میں متذکرہ بالا کپاس کے رقبہ سے کاشتکاروں کی آمدنی میں دس لاکھ روپے کا اضافہ گجرات میں دس لاکھ خاندیس میں۔ اور آٹھ لاکھ کرناٹک میں ہوا۔

سال کے علمی تجربوں اور مشاہدات پر قائم ہے اب رفتار زمانہ سے متاثر نظر آتی ہے اور تا وقتیکہ ملکی زراعت کو سابق کی طرح بلند پایہ پر قائم نہ رکھا جائیگا ملک میں کسی قسم کی ترقی قریب قریب ناممکن ہوگی۔ زراعت کو بلند پایہ بنانیکا امکان آئندہ نہیں ہو سکتا جب تک اپنے ملک کے ہونہاروں کو یونیورسٹی زراعتی تعلیم نہ دلائی جائے کہ جس کی مدد سے اہل ملک جدید تحقیقاتوں کے ذریعہ زراعتی اقتصادیا اور انتظام مزرعہ وغیرہ پر حاوی ہو کر ملک کی زراعت کو دھچپ و نفع دہ ثابت نہ کریں۔

ہر ملک کا مستقبل وہاں کے لڑکے اور نوجوانوں پر منحصر ہوتا ہے جو آئندہ چکر ملک کے رکن اعظم بننے والے ہوتے ہیں اگر ملک کی ترقی کیلئے کسی ضروری مسئلہ کو حل کرنا ہو تو مقدم اور ضروری طریقہ یہ ہے کہ اس ملک کے لڑکوں اور لڑکیوں میں اس مسئلہ کے متعلق شوق پیدا کر دیں۔ انکو ذرا سی حوصلہ افزائی کی دیر ہے پھر دیکھئے کہ پچاسوں سال کی پستی کو چند سالوں میں دور کر کے ملک کی کایا ملٹ بیٹے ہیں گریہ بات بجز تعلیمی امداد کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

ملکی اور مالی اعتبار سے ہر ملک کی تعلیم کا نصاب و طرز جدا جدا ہوتا ہے لیکن ان اختلافات کے باوجود بھی ہر جگہ کی تعلیم کا لگنا یہ ہوتا ہے کہ ملک کے ہر افراد کو ایک نفع رسان ہستی بنایا جائے اس میں کسی کو ذرا شک نہیں کہ فرائض و نوعیت کار کو دیکھتے ہوئے ایک معمولی نشی کی ہستی بھی ملک کیلئے ایک مفید ہستی ہے لیکن اگر کوئی ملک اجتماعی طور پر تمام اہل ملک کو منشی گیری کیلئے تیار کرے تو دنیا میں زندگی دشوار ہو جائے پس قومی و ملکی نکتہ نظر سے یہ نہایت ضروری امر ہے کہ ملک کی تعلیم کو اس طریقہ پر مردج کیا جائے کہ ملک کی تعلیم مختلف النوع ہو اور ہر ہونہار ملک اپنے فطری رجحان کے لحاظ سے اپنے لئے ایسی شاہراہ اختیار کر سکے جو اس کو آئندہ چکر ایک نفع رسان ہستی بنا سکے۔

سین مانسہ میں کسی پیشہ کے اختیار کرنے میں صرف آباد اجداد کے پیشہ ہی رہبری کیا کرتے تھے اور یہ حالت اس وقت بھی ہندوستان میں موجود ہے کہ بیٹا عموماً اپنے باپ کے پیشہ کو اختیار کرتا ہے لیکن مساوات کا خیال کرتے ہوئے اور دوسرے ممالک کی تمثیل دیکھتے ہوئے عام طور پر یہ خیال نچتہ ہوتا جا رہا ہے کہ بلا لحاظ حسب و نسب اہل ملک کو ترقی کرنے کا سادی موقع ملنا چاہئے جس کے حصول کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہاں کی تعلیم مختلف النوع ہو۔

ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص محنت کر کے اپنی روزی کما تا ہے اسکو اپنی محنت کا معاوضہ اسی مناسبت سے ملتا ہے جن مناسبت سے وہ اپنی محنت سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ داغی محنت ہمیشہ دستی یا جسمانی محنت سے زیادہ قیمتی رہی ہے اور رہے گی۔ لیکن اگر دنیا میں تمام لوگ داغی کام کرنے والے ہی رہ جائیں تو دنیاوی کاروبار کا چلنا ناممکن ہو جائے کیونکہ فراہمی غذا و دیگر ضروریات زندگی میں ہزاروں ایسی چیزیں ہیں جو بغیر جسمانی محنت کے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان جسمانی اصول کو بتلانے اور ان سب ضروریات کو پورا کرنے کیلئے موجودہ ملکی تعلیم کیا سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے اس کا جواب خواہ کچھ ہی ہو لیکن یہ نہایت ضروری اور لازمی بات ہے کہ ملکی تعلیم کا رواج اس نہج پر دیا جائے کہ عوام ان کا رہائے زندگی

کیلئے تیار ہو سکیں جن میں وہ آئندہ داخل ہونے والے ہیں۔ کیونکہ ترقی کا انحصار حسب و نسب پر نہیں بلکہ معیار ریاست پر ہے موجودہ طرز تعلیم سے عام طور پر متوسط طبقہ کے لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جو تعلیم وہ حاصل کر رہے ہیں وہ ان کو اس درجہ کے قابل بنادے گی جس میں نہ وہ پیدا ہوئے اور نہ اخیر عمر تک اس درجہ تک پہنچنے کی توقع کر سکتے ہیں۔

اس جگہ میں اس قصہ کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں جسکو دو سال قبل نواب میرزا یار جنگ بہادر نے اس جگہ اور اسی موقع پر دہرایا تھا انھوں نے فرمایا کہ ان کے ایک دوست انسپکٹر مدراس نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ انسپکٹر صاحب موصوف ایک مدرسہ کا معائنہ کرنے گئے تو اس وقت ان کے پاس ایک کسان آیا اور کہنے لگا کہ ہم کو آپ کے موجودہ مدراس کی اپنے گاؤں میں ضرورت نہیں آپ کے مدرسہ کی وجہ سے میرا ایک لڑکا میرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس نے تعلیم حاصل کی امتحان کامیاب کیا اور مجھ سے جدا ہو کر کسی دفتر میں ملازمت کیلئے چلا گیا اور اس وقت بھی جبکہ وہ ملازم ہے مجھ کو اس کی امداد کرنی پڑتی ہے کیونکہ محض ملازمت سے وہ اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔ اگر وہ میرے پاس رہتا تو وہ بحیثیت ایک کاشتکار مفید ثابت ہوتا اور مجھے اپنے کام میں بہت مدد ملتی۔“

واقعہ متذکرہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ طرز تعلیم سے عام طور پر ملازمت کا رجحان پایا جاتا ہے اور صنعت و حرفت و پیشہ زراعت وغیرہ سے بے توجہی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہمارے یہاں کی تعلیم کا نصب العین بلحاظ حالات ملکی یہ ہونا چاہئے کہ تعلیم کے ذریعہ سے ہم ہر اہل ملک کو اس قابل بناسکیں کہ وہ اپنے گرد و نواح ہی میں رہ کر ملک کیلئے ایک مفید اور سودمند ہستی ثابت ہو۔ اس سے نشاۃ یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر مقام کیلئے ایسا نصاب تعلیم ہونا چاہئے جو اہل ملک کے اس پیشہ کے مطابق ہو جو زیادہ تر وہاں پر مروج ہے۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم ذیل کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائیگا کہ حوام کے پیشہ کے لحاظ سے قوم کی رہبری کیلئے ہم کس قسم کا طرز تعلیم ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے ملک کی ایک کروڑ چوبیس لاکھ اکثر ہزار سات سو مردم شماری میں سے اکٹھے لاکھ پینسٹھ ہزار سات سو ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق راست زراعت سے ہے اور بقیہ مردم شماری میں سے بھی تقریباً ۳۰ فیصدی ایسے لوگ ہیں جو دیہاتی زندگی بسر کرتے ہیں اور جنکا بھی بلا واسطہ بہت کچھ داد و مدار زراعت پر ہی ہے۔ اس طرح پر گویا تقریباً نو فیصدی آبادی شہری زندگی سے دور دیہاتی زندگی بسر کرتی اور وہیں پر ذریعہ آمدنی کے پیشے اختیار کرتی اور چلاتی ہے۔

اگر جلد پیشہ جات کا بلحاظ مردم شماری اوسط نکالا جائے تو زراعت کے علاوہ اور کوئی پیشہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں کم از کم آبادی کا ۲۰ فیصدی حصہ ہی مصروف بکار ہو۔ ایسی حالت میں دیکھنا یہ ہے کہ اہل زراعت کیلئے جو تقریباً ۹۰ فیصدی ہیں کونسی تعلیم ان کیلئے مہیا کی گئی ہے۔

مردم شماری کی رپورٹ بابت ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۲۷ پر ایک تختہ دیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

اقدام گروہ جن کا تعلق راست زراعت سے ہے	تعداد زراعت پیشہ در سال		تعداد اضافہ یا کمی
	۱۹۱۱	۱۹۲۱	
(۱) زمیندار جو زمینات کو قول پر دیتے اور محصول وصول کرتے ہیں	۷۰۳۱۷۸۰۳	۷۰۶۱۷۶۱۳	+ ۳
(۲) معمولی کاشتکار جو خود کاشت کرتے ہیں	۳۰۶۸۴۹۵۰	۳۶۶۰۷۰۳۶۲	- ۱۱
(۳) نگران زراعت	۳۴۵۴۰	۳۳۷۲۰۲	- ۳
(۴) ملازمین مزرعہ جات			
(۵) مزدوران زراعت پیشہ	۲۷۵۸۸۷۲۱۲	۱۷۶۶۳۷۵۶۲	- ۲۶
میزان	۷۶۷۱۹۷۵۰۵	۶۱۷۶۵۷۷۳۳	- ۱۹

متذکرہ بالا اعداد میں دو تین امور نہایت غور طلب ہیں جن سے مضمون بالا کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اول یہ کہ سوائے طبقہ زمینداروں کے اور جملہ دیگر گروہ میں کمی ہوتی جا رہی ہے جس سے دو نتیجہ برآمد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ زمینات کاشتکاروں کے ہاتھوں سے ٹھکرا رہے لوگوں کے ہاتھوں میں جا رہی ہیں جو آپ اپنے ہاتھوں سے کچھ کرنا نہیں چاہتے بلکہ محض کسانوں کا خون سوچ کر زمینات کی آمدنی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیچارے کسانوں کو کاشتکاروں کی حالت دن بدن ایسی سقیم ہوتی جا رہی ہے کہ وہ اپنی عزیز زمین کو بھی اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتے۔

دوسرے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ بقیہ گروہوں کی تعداد میں کمی ہونے سے اس بات کا رجحان پایا جاتا ہے کہ اہل پیشہ آہستہ آہستہ زراعت کو ترک کر رہے ہیں کیونکہ اوسطاً اندرون دس سال ۱۹ فیصد کمی کی ہوئی ہے جو قابل غور ہے اور ڈر ہے کہ اگر اس لحاظ سے کمی ہوتی چلی گئی تو زراعت کا کیا حشر ہوگا۔ اس کمی سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جوں جوں ملک میں تعلیم پھیلتی جا رہی ہے صنعت و حرفت و زراعت کا خیال کم اور ملازمت اور شہری زندگی کی طرف زیادہ رجحان ہو رہا ہے۔

دویم یہ بات غور طلب ہے کہ اہل مزدوروں کے گروہ کو چھوڑ کر جن کو بہت ہی کسینی میں خاندان کے ذرائع آمدنی بڑھانی کی فکر ہو جاتی ہے اور جن کیلئے موجودہ ابتدائی تعلیم بھی کافی ہو سکتی ہے۔ دوسرے بڑے طبقوں کیلئے جن کی تعداد پھر بھی تقریباً ۴۴ یا ۴۵ لاکھ رہتی ہے۔ زراعتی تعلیم کا انتظام نہایت اہم و ضروری ہے کیونکہ رفتار زمانہ جو ترقی کی طرف ہے اور جو دوسری صنعتوں کے ساتھ ساتھ پیشہ زراعت کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ اس میں وہی شخص بہت جلد کامیاب ہو سکتا ہے جو اس رفتار ترقی کو بغور مطالعہ کرتے ہوئے تحقیقات جدیدہ سے بروقت فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس اتنے بڑے طبقہ مردم شماری کو خاص فنی تعلیم سے محروم رکھنا ملک کی ترقی میں سخت رکاوٹ کا باعث ہے۔

میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ ملکی و مالی اعتبار سے ہر ملک کا نصاب و طرز تعلیم جدا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی بتلایا ہوں کہ ملکی حالات کے لحاظ سے ہمارے یہاں کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔

مالی نکتہ نظر پر غور کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کو فروغ دینے کیلئے عموماً دو ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ ایک قومی چندے سے اور دوسرے خزانہ شاہی سے۔ جو مدارس یا کالج قومی چندے سے چلائے جاتے ہیں ان کے انتظام میں ایسے ہی لوگ حصہ لیتے ہیں جن کو چندہ دہندگان منتخب کریں اور عموماً چندہ دینے والے ایسی ہی لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں جنہیں ان کو بالکل اعتماد و بھروسہ ہو اور ایسے مدارس کی پالیسی بھی وہی رکھی جاتی ہے جس کی طرف قوم کا رجحان ہو۔ جس سے اکثر عمدہ نتائج ہی نکلتے ہیں۔

جن درگاہوں کے اخراجات کا بار موازنہ سرکاری پر پڑتا ہے انکی معتمد گورنمنٹ ہے اور یہ گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ وقتاً فوقتاً اپر غور کرتی رہے کہ اخراجات کے مقابلہ میں ملک کو کہاں تک نفع پہنچ رہا ہے۔

لحاظ مالی اعتبار کے ہمارے ملک میں قومی مدارس اور کالج کی جید کمی ہے جس کی طرف ملک کو فوراً متوجہ ہو کر گورنمنٹ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

البتہ ہمارے ملک کے موازنہ بابۃ اختلاف کے صفحہ نشان^{۱۱} پر تعلیمی اخراجات کیلئے سال حال ستر لاکھ ساٹھ ہزار کی رقم رکھی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو دکن سلطان العلوم کی گورنمنٹ تعلیمی معاملات میں ملک کی بہبود کیلئے کافی پوری صرف کر رہی ہے اور اس کے مصروف پر بھی کسی قسم کی نکتہ چینی کئے بغیر یہ صاف گوئی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مصرف بھی پوری پوری طرح ہو رہا ہے مگر طرز تعلیم کے متعلق صرف اس قدر عرض ہے کہ رعایا کی کثرت و ضروریات کا لحاظ و خیال رکھا جانا ضروری ہے۔ موجودہ طرز تعلیم میں کسی کو کسی قسم کا اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ جبکہ تمام مدارس میں اہل قلم ہی کے لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہو نہ ان ملک کو ایسے فضاء میں نشو و نما دینا چاہئے کہ جن کیلئے وہ سوزوں ہوں اور آئندہ زندگی میں شرکت کرنے والے یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اگر ہم زراعت پیشہ طبقہ کی طرف اپنی توجہ فوری مبذول نہ کریں گے اور انکو انکے مناسب حال تعلیم دینگے جس سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کر سکیں تو ہم ملک میں بے قناعتی کی ہر پید کر دیں گے۔ اور پھر وہ وقت کچھ دور نہ ہو گا کہ مدارس کی تعداد بڑھانے کے بجائے جلسوں میں تعلیمی مدارس کے گھٹانے اور صنعتی مدارس کے قائم کرنے کی تحریکیں پیش ہو کر نکلیں۔ لہذا اب وقت ہے کہ اہل ملک اس مسئلہ پر غور فرمائیں اور صنعتی تعلیم کی طرف عموماً اور زراعتی تعلیم کی طرف خصوصاً بہت جلد متوجہ ہوں۔

نواب مؤد الملک بہادر سابق صدر اعظم باب حکومت نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے ایک نوٹ مرتب فرمایا تھا۔ جس میں نواب صاحب ممدوح نے موجودہ طرز تعلیم کو نظر ثانی کے قابل بتلاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ”ملکی تعلیم کے دوسرے زینہ کی بناء

اصلی تعلیم کی نسبت زیادہ تر صنعتی اور عملی تعلیم پر ہونی چاہئے۔ طریقہ تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ درکشاپ مزدعجات، تجارت اگر پچھلے ماڈل فارم، کارخانہ جات، دارالتجارت، معدنیات اور دیگر ذرائع ترقی اقتصادی کا بھی لحاظ ہونا چاہئے۔
محکمہ زراعت نے اس غرورت کو بہت قبل محسوس کرتے ہوئے تعلیم زراعت کی جانب گورنمنٹ کی توجہ منسلک میں ہندول کی گراخا اس خیال سے اس وقت تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں لگی تھی کہ جامع عثمانیہ شعبہ زراعت اپنے یہاں قائم کر کے ملک کی اس کمی کو پورا کر دیں۔

متذکرہ بالا بیان سے تعلیم زراعت کی اہمیت کو تسلیم کر لینے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ریاست ہذا میں کس طرح کی جائے۔

نظاہر اس تعلیم کو رواج دینے کے دو طریقہ ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ مدارس تحتانیہ و وسطانیہ کے نصاب میں سب مدارج کتب زرعی شریک کیا کر عملی کام کا انتظام کیا جائے اور جو طلباء ان جامعات میں اپنے شوق و رجحان طبیعت سے ماہل پائے جائیں وہ تعلیم کی غرض سے زراعتی کالج میں جو عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت قائم ہونا چاہئے اپنی تعلیم کو جاری رکھیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ملک کے موجودہ طرز تعلیم اور نصاب مدارس تحتانیہ و وسطانیہ میں مطلق مداخلت نہ کی جائے بلکہ وہ جس طرح سے چل رہے ہیں ان کو چلنے دیا جائے اور بجائے اس کے ایک دو اضلاع کا انتخاب کر کے جہاں مزدع زمین زیادہ آبپاشی کے ذرائع و افراد تو فیہ زراعت کے اسباب ظاہر ہوں دو۔ دو۔ تین۔ تین۔ مدارس زراعتی قائم کئے جائیں اور علمی و عملی تعلیم دی جائے۔ نصاب ایسا مرتب کیا جائے کہ ایسے مدارس کے فارغ شدہ طلباء اپنی زمینات پر ترقی دادہ اصول کے تحت پیشہ زراعت کو کامیاب طریقہ پر چلا سکیں۔ ان طلباء میں سے جو غیر معمولی طور پر تیز ذہین ہوں اور جو عملی تعلیم کے آرزو مند پائے جائیں ان کو زراعتی کالج میں شرکت کا موقع دیا جائے تاکہ تحقیقات کرنے کا مادہ و قابلیت پیدا ہو۔ خواہ ان ہر دو صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کیوں نہ کی جائے۔ مرکزی زرعی کالج حیدرآباد کا قیام لازمی و ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قبل کہ ان ہر دو متذکرہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق ماہرین فن کی رائے پیش کروں۔

سب سے پہلے کلکتہ یونیورسٹی کمیشن منعقدہ ۱۹۱۷ء نے بعد تحقیقات اپنی رپورٹ جلد پنجم حصہ دوم میں جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے:-

کمیشن کی رائے ہے کہ اس اسکیم تعلیم زراعت کے مندرجہ ذیل تین مقاصد ہونے چاہئیں۔
(۱) مضامین میکانکس۔ طبیعیات۔ کیمیا اور علم الاشجار کے ساتھ انٹریسجیٹ کی کامیابی کے بعد زرعی تعلیم کے ضروری

مضامین مثلاً علم حیات - علم الحيوان - بشمول علم بکٹریا بوجی - علم کیمیا - اور علم معدنیات کی سہ سالہ علمی تعلیم کے لئے کلکتہ یونیورسٹی میں روانہ کیا جائے۔

(۲) اس سہ سالہ تعلیم کے دوران میں ہر سال تین تین ماہ کے لئے کلکتہ کے قرب و جوار میں یونیورسٹی کے مرزہ پر علمی تعلیم دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی سال میں وقتاً فوقتاً مرزہ کا معائنہ بھی شریک رہے تاکہ طلباء کو فصلی تجربات کا موقع مل سکے۔

(۳) ایک سال یا اس سے زیادہ دو سال کی پیہم علمی تعلیم سرکاری زرعی مدرسہ میں ہونی چاہیئے۔ کمیشن کی پیہم بھی تجویز ہے کہ فقرات ۲ کے کامیاب طلباء کو بجائے زراعت کی ڈگری کے سائنس کی ڈگری دی جائے اور ان طلباء کو جنہوں نے اسکے ساتھ سرکاری مدرسہ زرعی کا ڈپلوما بھی حاصل کیا ہو زراعت کی ڈگری دی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض طلباء کی پیہم خواہش ہو کہ ختم سہ سالہ تعلیم پر کسی خاص فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے پوسٹ گریجویٹ میں داخل ہو جائیں۔ کمیشن نے پیہم رائے دی ہے کہ یونیورسٹی کے زرعی نصاب میں کیمیا - علم معدنیات - علم الحيوانات اور بکٹریا بوجی شامل رہے۔ علم زراعت کی خاص تعلیم کے علاوہ زرعی معاشیات اور زرعی حساب و کتاب بھی داخل نصاب ہو۔ زرعی تعلیم میں کمیشن مفصلہ ذیل تعلیم کی تجویز کرتا ہے۔

زمین - کھاد - ناگر کشی - فصول - کاشت اشیاء - خورد و نوش - آب و ہوا - اور دیگر اجزاء جن کا اثر زراعت پر ہوتا ہو اور انتظام زمینیات۔

سرشتہ زرعی کے دوسرے سال کی تعلیمی نصاب میں طالب علم کو مزید علم کے کاروبار ہی متعلق کر کے اس کو اس کام کا معاوضہ دیا جانا چاہیئے۔

سرٹیفکیٹ لینے والے اپنی یادداشت میں مقاصد مدرسہ کی اس طرح توضیح کی ہے - پہلے تو کالج کا خیال ہی دور کر دیا جائے۔ اور مدرسہ کو صرف مدرسہ زرعی سے موسوم کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ مدرسہ میں ایک نڈوں اور موجودہ ترقی یافتہ اصول پر مرزہ قائم کیا جائے تاکہ اس میں مختلف زرعی شعبہ جات کی تعلیم ہو سکے جن میں مندرجہ ذیل اہم مضامین بھی شامل رہیں (۱) ناگر (الف) ملکی طریقہ پر (ب) ترقی یافتہ طریقہ پر (۲) کاشت (۳) پودوں کا انتخاب فراہمی تخم وغیرہ (۴) پیمائش اراضی (۵) تعمیر بندوالہ (۶) تعلیم و تربیت عمارات (۷) دھانی - ردغنی - آبی - اور بادی قوت سے چلنے والے انجن (۸) استعمال قوت (۹) وارٹلفٹ اور پمپ (۱۰) بخاری و فٹنگ (۱۱) حفاظت پرورش جانور (۱۲) زخمون کا علاج (۱۳) تشخیص امراض متعدی۔

اس امر کا خاص طور پر ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے کہ تاؤنٹیکہ کوئی طالب علم کسی شعبہ میں مہارت حاصل نہ کرے اس کو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ ایسے مدرسہ میں ہر قسم کے طالب علم کے لئے تعلیم کا انتظام جملہ شعبہ جات متعلقہ زراعت میں اور اس کا نصاب مقرر کیا جاسکتا ہے کمیشن کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا اسکیم جس کے زرعی شعبہ جات میں انجینئرنگ (سول و میکینیکل)

پیمائش ارضی۔ علاج حیوانات۔ پرورش نسل چوپایہ اور ڈیری بھی شامل ہوں مفید ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ ان بسیط مضامین کی تکمیل کا خیال کر کے زیادہ تر وقت لکچروں پر صرف نہ کیا جائے۔

کیشن یہ توقع ظاہر کرتی ہے کہ یونیورسٹی زرعی سند کے علاوہ ڈگری نہیں عطا کرے گی۔ ملک بنگال میں عطاء ڈگری کا مسئلہ بالکل محکمہ زراعت سے متعلق کر دیا جانا چاہیے۔

کیشن خیال کرتا ہے کہ کامیاب طلبہ مندرجہ ذیل محکمہ جات میں کہیں نہ کہیں مستحق ملازمت ہو سکتے ہیں۔

(۱) اپریل اگر کپچرل دیپارمنٹ (۲) پراونشیل اگر کپچرل ڈیپارمنٹ

(۳) منتظمین کورٹ آف وارڈز (۴) زمینداروں کے اسٹیٹ کے ایجنٹ (۵) چھوٹے زرعی صنعتی شعبہ جات

مثل باغات چار۔ کاشت تنباکو۔ باغات کیلے سکونہ و دیگر ادویہ کی کاشت (۶) عہدہ دار تحت سرکل آفیسر

عہدہ دار بندوبست۔ ڈسٹرک بورڈ اور انجمنہائے اتحاد باہمی (۷) انسپکٹر ان مدراس اور دیگر مدرسین دیہات.....

متذکرہ بالا کلکتہ یونیورسٹی کیشن کی رائے ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ادنیٰ کاجون کے انٹریجیٹ کلاس میں میکائلس

طبیعیات رکیمیا اور علم نباتات شریک کئے جائیں۔ کلکتہ میں علیحدہ زراعتی کالج قائم کیا جائے۔ اور علاوہ ازین ایک

زرعی علمی مدرسہ بھی ہو۔

ناظم صاحب زراعت ریاست ہذا فریدیہ مراسلہ نشان مورخہ یکم تیر ۱۳۳۵ء زرعی تعلیم کے متعلق اپنے رائے کا اظہار

ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ”اس گروہ (یعنی زراعت پیشہ) کی تعلیم ابتدائی سے انتہائی تک کا خیال سرکار کو پیش نظر رکھنا ہوگا

اور اسکی ابتداء ابتدائی درسگاہوں سے کرنی ہوگی۔ لہذا اس ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ جو کہ ہر ایک ملک پر لازمی گردانی

ہوگی سلسلہ تعلیم زراعت کس طرح قائم کرنا چاہیے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اولاً اوقات تعلیم زرعی کاروبار کی مناسبت سے رکھنا ضروری اور مفید ہے۔

مدرسہ تھانیا | مدرسین دیہات کو کچھ زرعی تعلیم ہونی چاہیے جو وہ مدرسہ معلمین میں حاصل کر سکتے ہیں۔ درسی کتب

میں بیشتر اسباق زراعت سے متعلق ہوں حساب میں ہی زرعی کاروبار کے حسابات بتلائے جائیں۔

ہر دیہاتی مدرسہ کے کمپونڈ میں یا اس سے قریب ایک قطعہ زمین جو تعداد طلباء و مدرسہ اور ان کی عمر

کے لحاظ سے مقرر اور جو اندازاً سو طالب علموں کے لئے رچ ایکڑ کی مدت تک ہو سرشتہ تعلیمات حاصل کرے جس میں

ہر طالب علم کے لئے ایک ایک قطعہ دس دس فیٹ عرض و طول کا قائم کر کے اس پر طالب علم سے کام لیا جائے

اگر بعض وجوہ سے یہ ہر مقام مدرسہ پر اسکان میں نہ ہو تو سر دست مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے کمپونڈ میں

پھول وغیرہ کے پودے بچوں کے ہاتھ لگوائے جائیں۔

اس کام کے لئے جو کچھ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کچھ آلات بچکانی ہوں اور کچھ تخم و کھاد کی فراہمی کے لئے

ان ہر دو قیمتی آراء کو دیکھنے کے بعد ریاست ہذا کے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا زرعی تعلیم کا انتظام مدارس
تحتانیہ و وسطانیہ ہی میں نصاب زیادہ کر کے کیا جائے یا علیحدہ زرعی مدارس قائم کئے جائیں۔

پہلے طریقہ کو رو بہ عمل لانے میں یہ فوائد بیان کئے جاتے ہیں کہ مدارس تحتانیہ و وسطانیہ میں زرعی علمی تعلیم شروع
کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ طلباء کو بالکل ابتدا ہی سے جسمانی محنت و مشقت کا جو اس وقت کھیل کود و ورزش جسمانی سے
پوری کیجاتی ہے عادی بنایا جائیگا۔

نیز عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو بچی ایک طالب علم پندرہ سولہ برس کی عمر کو پہنچتا اور تھوڑا سا لکھنا پڑھنا سیکھ لیتا ہے
تو اسکے سر میں بڑے بڑے خیالات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں جن کا پورا ہونا اگر قطعی ناممکن نہیں تو محال ضرور ہوتا ہے
پس ایسے پر اگندہ خیالات کو رو براہ لانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر طالب علم کو ابتدا ہی سے نظری و عملی
تعلیم دی جانی چاہیے۔ اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ ابتدائی تعلیم میں فن زراعت کو سمجھنا اور سیکھنا دشوار ہے۔ لیکن پھر بھی یہ
مدارج مدارس تحتانیہ و وسطانیہ ہی میں طے ہونے چاہئیں تاکہ زراعتی تعلیم گاہ کے کورس کو غیر معمولی طوالت نہ دینی پڑے۔
اس قسم کی تعلیم کو رواج دینے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہر سال چند اساتذہ کو زراعتی کالج میں سالہ شارٹ کورس کی تعلیم کیلئے روانہ کیا جائے۔
دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ پرائمری اور سکندری تعلیم جلد اقسام کی تعلیم کی بنیاد ہے اور ہر خاص قسم کی تعلیم کے لئے
طالب علم کو تیار کرتی ہے۔ اس لئے تمام اہل زراعت کو پہلے موجودہ ابتدائی تعلیم لازمی طور پر دلائی جائے اور اسکے بعد
زراعتی تعلیم دلائی جائے تو ان کے لئے نہایت سودمند ثابت ہوگی۔

ان کا خیال ہے کہ اساتذہ کو ٹریننگ کالج میں زراعتی تعلیم دلانے میں یہ امر مانع ہے کہ ان کے مختلف مضامین
ٹریننگ ہوتے ہیں کہ نہ وہ اس مضمون کی جانب پوری توجہ مبذول کر سکتے ہیں اور نہ ایک سال میں وہ اس قدر
معلومات بہم پہنچا سکتے ہیں کہ زرعی تعلیم دینے میں ان کو سہولت ہو۔

نیز زراعتی کالج میں مکمل کورس کی تعلیم کے لئے اساتذہ کو روانہ کرنے میں اکثر و بیشتر ان کی عمر اور ان کی دنیاوی
مصرفیتیں مانع آتی ہیں۔ لہذا تحتانی و وسطانی مدارس میں زراعت دان معلمین کی سہولت برابری میں بھی دشواری ہو
اگر اگر پکچرل گرائجویٹ کو تحتانیہ و وسطانیہ مدارس میں رکھا جائے تو ہر مدرسہ کے اخراجات اس قدر کثیر ہو جاتے ہیں
کہ ہر دو مدرسوں کے بجائے ایک مدرسہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

علاوہ ازیں پرائمری اور سکندری مدارس کے طلباء اس قدر کم عمر ہوتے ہیں کہ مضمون زراعت کو سمجھنے اور سیکھنے کی
ان میں قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ ذیلی مدارس میں سے زراعت پیشہ لوگ اپنے بچوں کو
بہت جلد علیحدہ کر لیتے ہیں تاکہ مویشی چرائی کا کام ان کے سپرد کر کے خود بڑے کاموں کی طرف متوجہ
ہو سکیں۔ پس ایسی حالت میں اگر تحتانیہ مدرسہ کے نصاب میں تین ریڈر شریک بھی کر لئے گئے
تو مدرسہ چھوڑنے اور چر داہی میں ڈپلوما لے کر عملی زراعت شروع کرنے تک ان کے

ذہن میں کیا باقی رہ سکتا ہے۔

ایک عام خیال یہ بھی ہے کہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پرائمری تعلیم میں زرعی تعلیم کا شریک کرنا پرائمری تعلیم کو عوام کی نظر میں غیر ہر دل عزیز بنا دے گا کہ کوئی بزرگ اپنے ہنرے بچوں کو اعلیٰ کام میں دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔ تاہم فیکلہ وہ خود تعلیم یافتہ نہ ہو۔

اگرچہ متذکرہ بالا کو دیکھنے اور جانچنے کے بعد ہر قسم کی مشکلات کے باوجود مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمات کے موجودہ نصاب میں اس شعبہ کا اضافہ کیا جائے۔ اور تجرباتی نفع میں ایک دو گاؤں منتخب کر کے زراعتی مدراس محکمہ زراعت کے زیر نگرانی قائم کئے جائیں۔ ابتدائی مقامات کے انتخاب میں یہ سہولت مد نظر رکھی جاسکتی ہے کہ جہاں سرشت زراعت کے زراعتی مزرعہ جات موجود ہوں۔ ان مقامات پر زراعتی مدراس قائم کر کے ضروری سامان سے اس حد تک مکمل کر دے جائیں کہ یہ مدراس آپ اپنی نظیر ہوں۔ اور جن میں بہ سہولت تمام زرعی تعلیم تاحد سلطانہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے مکمل طور پر دیکھا سکے۔ ان میں زیادہ تر ایسے ہی طلباء شریک کئے جائیں جو خود زراعت پر مشتمل ہوں۔ کافی زمینات دیکھتے ہوں۔ اور تعلیم کے بعد خود زراعت کرنے کے خواہش مند ہوں۔

ان مدراس کے اخراجات کا بار مزرعہ کی حد تک محکمہ زراعت برداشت کرے۔ اور مدرسہ کی حد تک محکمہ لوکل فنڈ برائے بڑے زمیندار اور مقامی سربراہ و راجہ اشخاص چندہ سے کریں۔ اسی طرح اگر ہر تعلقہ کے بڑے زمیندار اور سربراہ و راجہ علم بردار اشخاص متحد طور پر اس معاملہ میں دلچسپی لے کر کام کریں تو یقین ہے کہ رفتہ رفتہ ہر تعلقہ میں ایک ایک میاب زرعی مدرسہ قائم ہو جائے گا۔ گورنمنٹ کا کام آسان باقی رہ جاتا ہے کہ تنہا یہ یونیورسٹی کے تحت ایک زراعتی کالج حیدرآباد میں قائم کرے۔ اور یونیورسٹی میں جو کمی ہے اس کو پورا کر کے ملکی اعتماد و مفاد کو ترقی دے۔

سنٹرل زراعتی کالج کا قیام عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت بلوچ میر آباد میں ہونا چاہئے۔ اور اس کے تحت ایک زراعتی مزرعہ جس کا رقبہ کم از کم دو سو ایکڑ ہو۔ اور ایک دارالتجارب ہونا چاہئے جس میں طلباء زرعی وسائل کے تجربہ بدست خور کر سکیں۔

اس کالج میں دو نصاب تعلیمی ہوں گے۔ ایک نصاب کبیر (Short Course) اور ایک نصاب کبیر۔ شارٹ کورس کی مدت تعلیم دو سال ہوگی۔ اور لانگ کورس کی مدت چار سال۔ ہر دو نصاب کی تعلیم ایک ساتھ شروع ہوگی۔ اور ہر دو ابتدائی دو سال کی تعلیم بھی ایک ہی ہوگی۔ جس میں زیادہ تر سائنس کے اصولوں کو اعلیٰ جامہ پہنا کر مزرعہ پر عملاً بتایا جائے گا۔ اس کورس کا بیشتر حصہ خاص فن زراعت اور اعلیٰ کاموں پر مشتمل ہوگا۔ اور آخر میں یونیورسٹی کا امتحان ہوگا۔



اور چالیس فی صد ہی نمبرات حاصل کرنے والوں کو **پہلے** کا ڈپلوما دیا جائے گا۔ اس طرح پروجیکٹ
نصاب ختم کر کے فارغ ہوں گے۔ وہ اس قابل ہوں گے کہ اپنی ذاتی زراعت کو سائنس کے ترقی دادہ اصولوں پر
منافع بخش طریقہ پر چلا سکیں۔

سال سوم و چارم کا کورس زیادہ تر سائنس پر مبنی ہوگا۔ تاکہ اہل ملک میں سے ایسے افراد پیدا ہو سکیں جو جدید
تحقیقاتی کام انجام دے سکیں ہوں۔

متذکرہ بالا دو سالہ کورس میں زیادہ تر انہی طلباء کی شرکت ہوگی جو زمین دار و مالگزار و بڑے بڑے کاشت کاروں
کے لڑکے ہوں تاکہ ملک کی زراعت میں ترقی ہو۔ اگر کوئی طالب علم دو سالہ کورس ختم کرنے کے بعد ملازمت کا
آرزو مند ہو تو اس کو کھارہ زراعت کورس آف وارڈز میں داخل کیا جائے گا۔ یا ریگاہ۔ دجاگیرات میں ملازمت مل سکے گی۔

چار سالہ کورس ختم کرنے والوں کو **B.Sc.** دی جائے گی۔ اگر وہ دجاگیر یا زمینداروں کو ذاتی زراعت کو فروغ دینے کا موقع
تو رہے گا۔ مگر ایسے لوگ زیادہ تر دیگر کالج و مدارس میں داخل ہوں گے۔ یا اپنے ذاتی مزرعہ جات پر تحقیقاتی کام انجام دیں گے
کالج میں صرف انہیں طلباء کی شرکت ہو سکے گی جو زراعت میں دلچسپی رکھیں گے۔ یا سائنس کے مضامین کے
ساتھ میٹرک کامیاب ہوں۔ اگر کوئی بڑا جاگیردار یا زمیندار اس امر کا اقرار نامہ بوقت درخواست شرکت پیش کرے
کہ اس کا ارادہ ملازمت میں داخل ہونے کا نہیں ہے تو بلکہ بہ اقرار داثق کہتا ہے کہ وہ خود کاشت کرے گا۔

تو اس طالب علم کو متذکرہ بالا قیود سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ یہ محض دو دسے چند ایسے طلباء بھی کالج میں شرکت کر سکیں گے جو شریکی
ان میں کالج کا کورس پڑھنے اور سمجھنے کی کافی مہارت ہو۔ وقت داخلہ ایسے طلباء سے آزمائشی امتحان لیا جائے گا۔ اور
انتظام تعلیم پر جانے والے پچھلے سال کے مشغولیت آف انٹرنیشنل دیاجائے گا۔ جیسا کہ پچھلے سال میں ان طلباء کے لئے
طریقہ مروج ہے۔ جو انٹر میڈیٹ ناکام ہوئے ہیں۔ ان کے کالج کے پروفیسر ہی امتحان لے کر ڈپلوما دیے تھے۔
کالج کا تفصیلی نصاب یہاں پر بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور نہ وقت مگر ملک کو اس قسم
کے کالج کی محتاج ضرورت ہے۔ جو فوری توجہ سے قابل ہے۔

پیشہ انداز میں ریل اور دیگر کمیشن کا قیام ضروری ہے۔ تاکہ گورنمنٹ نے اس ضرورت کو محسوس کر لیا ہے
مدرسہ ستان کی زراعت و کاشتکارانہ ہند کو سے ملک کے مائل بتایا جائے۔ ورنہ بصورت موجودہ
کی بہتری کے مسئلہ جانے کا اندیشہ ہی فقط

محمد رضا خان

کتاب خانہ ادارہ ادبیات اور